عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

شعبان ۱۴۳۰ھ/ اگست ۲۰۰۹ء

RegNo.P476

جلد:ہفتم

شمارہ:12

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرِالٰہی (چوتھی قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

حقیقتِ ذکر:

'ذکر' کی حقیقت اس کے مفہوم ہی سے واضح ہے۔'ذکر' لغتہً یاد کرنے یا یادرکھنے کو کے معنیٰ میں آتا ہے۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ محلِ ذکر یا ذاکر صرف دل ہے کہ جب کسی کی یاد آئے گی یا کسی کو یاد کیا جائے گا تو زبان سے اس کا ذکر یا نام لینا ضروری نہیں ہوگا بلکہ دل ہی میں 'مذکور' کا خیال ودھیان آئے گا اور دل ہی اصلاً اُدھر متوجہ ہوگا۔گویا'حقیقتِ ذکر' کا تحقق دل ہی میں ہوگا[۱]۔پس دل سے کسی کی طرف متوجہ یا ملتفت ہونا یا دل میں کسی کی یاد ودھیان آجانے کا نام ذکر ہے۔الفاظِ ذکر اسی مدلول پر دال اور اسی حقیقت کا زبانی اظہار ہیں۔گویا قلبی یاد حقیقتِ ذکر ہے اور الفاظ صورتِ ذکر۔قلبی یاد کو اصلاً الفاظِ ذکر کی ضرورت نہیں لیکن الفاظِ ذکر اپنی حقیقت ومعنیٰ کے تحقق کے لئے سراسر یادِ قلبی کے محتاج ہیں۔

اس تشریح کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذکر کی شرعی وصوفیانہ اصطلاح کے معنیٰ بھی متحقق و واضح ہوجاتے ہیں۔شریعت وسلوک میں 'ذکر' سے مراد یادِ الٰہی ہے گویا یادِ الٰہی سے مراد حقیقتاً دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یاد کرنا، اُسے دل میں بسانا، اُس کا دھیان جمانا اور اُس کا فکر واستحضار ہے۔

حضرت والا ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں:

"اَللّٰہُ مَعِی کا تصور کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمارے قریب ہے اور ہمارے ہر فعل وخیال کا حاضر وناظر ہے، اس کے مضمون پر غور کیا جائے اور اس کے مناسب آیات کا استحضار رہے۔جیسے وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ، وَ ھُوَ

[۱] یہ افادہ حضرت مولوی شاہ عبدالباری ندوی مدظلہٗ کا ہے دیکھو'تجدید تصوف وسلوک'۔

مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ یا وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر اور وَ لَا تَخْفٰی عَلَیْہِ خَافِیَۃٌ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ اور اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ اور اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ اسی کیفیت کا رسوخ اصل روح ہے جس کا طریقہ ذکر و شغل ہے۔"

اگر کسی خوش نصیب کو کسی وقت بغیر ادائیگی الفاظ کے ذکر کی یہ دولت میسر آجائے اور ایسی حالت میں وہ الفاظِ ذکر ادا نہ بھی کرے تو حرج نہیں۔

ایک طالب نے حضرت سیدی قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا:

"قلب کو سکون صرف توجہ الی اللہ سے ملتا ہے اور اس وقت الفاظ ذکر بھی منقطع کر دینے پڑتے ہیں صرف توجہ سے دل کی سیاہی مٹتی محسوس ہوتی ہے۔"

حضرت الشیخ رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا:

"ذات کی طرف توجہ اصل ہے اگر اس حالت میں معانی و الفاظ کا استحضار نہ رہے تو کوئی حرج نہیں۔ اصل توجہ مذکور کی طرف ہونی چاہیئے، یہ نہ ہو تو ذکر کی طرف۔"

عارف رومی نے اس مقام کی طرف اشارہ اپنے شعر

؎ مست ولا یعقل نہ ای از جامِ ہو
اے زِ ہو قانع شدہ بر نامِ ہو

ترجمہ: اُس ذات کی محبت کے جام سے مست اور مدہوش نہیں ہوئے ہوا ے وہ شخص! جو بجائے اُس کی ذات کے اُس کے نام پر ہی قناعت کر گیا۔

کے پہلے مصرع میں فرمایا ہے۔ مولانا کی مراد یہ ہے کہ ایک طبقہ 'احسان' کی اس کیفیت کا حامل ہونا چاہیئے جہاں حُسنِ ازل باوجود مستور ہونے کے تجلیاتِ شہود سے قلبِ

عارف کو اپنے میں مشغول و مسرور رکھتا ہے اور 'انوارِ ماہ کی تابانی' ۱ سے سالک کا دل منور ہو کر ان کی 'بے حرف و صوت یادِ' ۲ میں شاغل ہو جاتا ہے۔

'جامِ ہو' کے سرشاروں کا یہ طبقہ استحضار سرمدی میں مخمور رہتا ہے۔ ان کا دھیان ہی اصلِ ذکر ہے۔ حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ کے یہ اشعار بھی غالباً اسی طرف اشارہ کرتے ہیں:

؎　حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی
آ دل میں میرے چھپ جا اے صورتِ جانانہ

غرض ذکر سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا دھیان و یاداشتِ قلبی ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سالک کے استفسار پر کہ "ذکر سے اصل مقصود قلب کو مشغول رکھنا ہے یا محض زبان کو یا دونوں کو" تحریر فرماتے ہیں:

"ذکر سے اصل مقصود تو مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا استحضار ہے یہ نہ ہو تو ذکر۔"

مباحث بالا کا حاصل یہ ہے کہ 'ذکر' کا اصل تعلق دل سے ہے اور یاد قلبی ہی حقیقی ذکر ہے۔

۱　قلب را تاباں کن از انوارِ ماہ
زانکہ از آسیبِ ذنب شد دل سیاہ

ترجمہ: وہ دل جو گناہ کے آسیب سے سیاہ ہو گیا ہو اُس دل کو چاند کے انوار سے روشن کرو۔

۲　اے خدا بنما جان را آں مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام

ترجمہ: اے اللہ! مجھے وہ مقام دکھا جس مقام پر باطن میں بغیر حروف کے کلام جاری ہو جاتا ہے۔

(جاری ہے)

اصلاحی مجلس (پہلی قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

آدمی جو عمل کرتا ہے وہ ایک اِرادے کے تحت کرتا ہے اور اِرادہ اس کے اندر سے وجود میں آتا ہے۔ اور یہ اِرادہ اس بنیاد پر وجود میں آتا ہے کہ اس کے قلب میں کیا ہے؟ انسان کے قلب میں ایک تاثر ہوتا ہے اور اس تاثر کے تحت یہ اس بات کو لئے ہوتا ہے کہ میرے مسائل کا حل کہاں سے ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ یہاں عام طور پر انسانوں کا یہی تاثر ہے کہ مسائل کا حل وسائل میں ہے لہٰذا وسائل کو حاصل کرو۔

لینن نے لکھا ہوا ہے کہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ، فریب، ظلم، قتل جو کچھ بھی جس طریقے سے حاصل کر سکتے ہو اُس کو حاصل کرو۔ کیونکہ اس کے فلسفے کی بنیاد ہی یہی ہے کہ مسائل کا حل وسائل میں ہے۔ مسائل پیدا ہی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم سے ہوئے ہیں۔ سارے مسائل کی بنیاد ہیں ہی یہ وسائل۔ تو سارا کا سارا فلسفہ اس بات کے گرد گھوم رہا ہے کہ مسائل پیدا ہوئے ہیں وسائل کے نہ ہونے سے اور مسائل کا حل وسائل کی تقسیم میں ہے۔ یہ اس ساری بات کا خلاصہ ہے۔

حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ کے صاحبزادے تھے اور تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر تھے۔ وہ ایک بڑے مجمع میں تقریر کرنے کے لئے گئے، مجمع تھا دانش وروں کا، بڑے افسروں کا، دُنیا کے لحاظ سے سمجھ دار لوگوں کا۔ اُنہوں نے بہت سارے لکھے ہوئے سوال اُن کو دے دیے۔ حضرتؒ نے وہ سارے سوال لے کر مٹھی میں پکڑ لئے اور بیان کیا تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے سارے سوالوں کے جوابات انہوں نے دے دئے۔ سوالوں کے جواب کیا ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مسائل کا حل اپنے علم یعنی قرآن پاک کی شکل میں دیا ہوا ہے۔ جب آدمی ان قرآنی حقائق کو بیان کرتا ہے تو سوالوں کے جوابات ہو جاتے ہیں۔

فرمایا گیا ہے **فیہ ذکرکم** اس میں تمہارے خاکے بیان کیے گئے ہیں۔ تو تم دیکھو اس میں تمہارا خاکہ کہاں بیان کیا گیا ہے؟

آیت مبارکہ ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ O وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ O وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ وَ حَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ وَ لَبِئۡسَ الۡمِہَادُ O (البقرہ:۲۰۴ تا ۲۰۶)

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی گفتگو جو محض دنیاوی غرض سے ہوتی ہے بڑی مزے دار معلوم ہوتی ہے اور وہ (اپنا اعتبار بڑھانے کو) اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر حالانکہ وہ (آپؐ کی) مخالفت میں (نہایت) شدید ہے اور جب (آپؐ کی مجلس سے) پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور (کسی کی) کھیتی اور مواشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد (کی باتوں) کو پسند نہیں فرماتے اور جب اُس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو (اور زیادہ) آمادہ کر دیتا ہے اس کو غرور گناہ پر، سو ایسے شخص کی کافی سزا ہے جہنم اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

پوری ایک شخصیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پوری ایک Personality بیان ہوئی ہے۔ تو آدمی غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ میری پوری شخصیت زیرِ بحث آئی (Discuss) ہوئی ہے اور یہ سب کچھ وہ ہے جو کہ میں کر رہا ہوں کہ دن کو پھر کر مخالفت کی فضا بناتا ہوں، سازشیں کرتا رہتا ہوں اور مسائل کھڑے کر دیتا ہوں اور جب کوئی اللہ کا خوف دلاتا ہے کہ دیکھو کیا کر رہے ہو۔ سچ بات ہے علم ازلی تو اس ذاتِ ذوالجلال کا ہے جس نے انسان کو بنایا، اس کی عقل کو بنایا، اس کے جذبات کو بنایا، اس کی سوچ کو بنایا اور اس پر کیا حالات طاری ہونے ہیں، کس طرف اس کی سوچ و عقل نے جانا ہے، کس طرف اس کے حالات جذبات اور سوچ نے جانا ہے، ان ساری باتوں کو بیان کیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ تو منبع ہے سارے علوم کا، اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ ہمارے حضرت مولاناؒ کے پاس آنے والے لوگوں سے سنا کہ ہم جن سوالات کو لے کر آتے ہیں تو اللہ کرتا ہے اُن کا جواب ہو جاتا ہے۔ خیر عرض یہ کر رہا تھا کہ ان کی بنیاد ساری یہ ہے۔ مجھے یاد ہے جب ڈیل کارنیگی کی کتاب Stop Worrying,Start Living (پریشان ہونا چھوڑئیے اور جینا شروع کیجئے) یہاں آ گئی تو لوگ اس کتاب سے بڑے متاثر ہوئے اور ہمارے پاس یہ کتاب لے کر آئے۔ جب میں نے پڑھا تو واقعی اُس نے پریشانی کے رازوں کے بارے

میں بڑی گہری باتیں سمجھی ہوئی تھیں، سوچی ہوئی تھیں اور لکھی ہوئی تھیں۔ پریشانیوں سے نکلنے کے لئے اُس نے کچھ ایسے طریقے لکھے ہوئے تھے جو کہ واقعی بڑی سمجھ داری کے تھے۔ ہر کتاب کو پڑھنے کے بعد اُسے آخر میں نچوڑنا ہوتا ہے۔ ہر فیلڈ کا جو تجربہ کار ہوتا ہے وہ اس چیز کو نچوڑ کر اس کا نتیجہ نکالتا ہے۔

ہمارے ایک مولوی صاحب تھے، مختلف جگہوں پر جنازوں، جلسوں، جلوسوں میں آنا جانا شروع ہو گئے۔ ہمارے علاقے کا جو سیاسی لیڈر تھا اُس نے کہا کہ لگتا ہے اس بار مولوی صاحب نے الیکشن میں کھڑے ہونے کا اِرادہ کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ دانشور تھا اور اس بات کو اُس نے باقاعدہ نچوڑا ہوا تھا اور واقعی اس مرتبہ وہ الیکشن میں کھڑا تھا۔

میں نے کہا کہ اس کی کتاب کو نچوڑو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کی ساری کتاب کا خلاصہ یہ تھا کہ جب تمہیں یہ کمالات حاصل ہو جائیں گے تو تمہیں شہرت ملے گی، تمہیں دولت ملے گی اور تم سے عورتیں متاثر ہونگیں۔ شہرت، دولت، عورت اس کی بنیاد تھی۔ یعنی اس کتاب کا جو آخری نچوڑ تھا، جو عرق نکلتا تھا وہ یہ تھا......شہرت، دولت، عورت۔

اس کتاب میں بڑا عجیب واقعہ راک فیلر کا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ جب بیمار ہوا اور اتنا بیمار ہوا کہ آخر میں یہ معذور (Disable) ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کارخانے سے نکلا اور ڈاکٹروں کے پیچھے پھرا۔ آخر ڈاکٹروں نے میڈیکل بورڈ بٹھایا، سب ڈاکٹروں نے کہا کہ اسے کوئی جسمانی بیماری نہیں ہے، کوئی میڈیکل مسئلہ نہیں ہے، کوئی سرجیکل Problem نہیں ہے۔ سب نے مل ملا کر اسے دماغی امراض کے ماہر کے حوالے کر دیا۔ اُس نے اسکی تشخیص کی، تشخیص کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ کو مال کی محبت کی بیماری لگی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں آپ دیکھیں اس میں یہ ساری باتیں ترتیب وار زیرِ بحث لائی ہوئی ہیں۔ مجھے جب یہ کتاب ملی تو میں ان باتوں کے آگے احادیث کو لکھتا گیا جن احادیث میں یہ باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اس جگہ لکھا حب الدنیا راس کل خطیئۃ یعنی دُنیا کی محبت ساری خطاؤں کی سردار ہے۔ آپ کو ایک حیرت انگیز بات بتاؤں وہ یہ کہ ڈیل کارنیگی نے آخر میں خودکشی کی ہے، وہ اتنا ناکام ہوا ہے۔ اتنی دانشورانہ کتاب لکھنے کے باوجود کیونکہ اس کا محور جو تھا، وہ شہرت، دولت، عورت کا حصول تھا اور یہی وہ فانی چیز ہے جو انسان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ خیر تو سائیکاٹرسٹ نے کہا کہ آپ کو دُنیا کی

محبت ہے۔

اُس کے Partner نے کہا کے سارا ہفتہ کام کر کے ہماری شامت ہو جاتی ہے۔ Week End پہ چھٹی کریں گے اور میں نے ایک پُرانی کشتی لی ہے، ہم جائیں گے اور سمندر میں Boating کریں گے۔ اُس نے کہا کہ اچھا تُو اتنا فضول آدمی ہے کہ وقت ضائع کرنے کے اتنے تیرے پاس پروگرام ہیں۔ تیرے ساتھ تو میں کاروبار نہیں چلا سکوں گا، میں تیری Partnership کو ختم کردوں گا۔ وہ بے چارہ خاموش ہو گیا۔ ایک دن اس کا کارندہ آیا اور اُس نے کہا کہ فلاں ملک کو جو ہم نے مال بھیجا تھا بحری جہاز میں، آپ نے کہا تھا کہ اس مال کی انشورنس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس میں دس ڈالر لگتے ہیں، ہم نے تو اُس کی انشورنس نہیں کی تھی اور آگے سمندر میں طوفان آیا ہوا ہے۔ اُس نے کہا کے دوڑ و اس خبر کے شائع ہونے سے پہلے اس کی انشورنس کر کے آؤ۔ یہ دوڑتا ہوا گیا انشورنس کر کے آیا اور کہا کہ جی جہاز تو صحیح سلامت منزل پہ پہنچ گیا ہے، طوفان نہیں آیا۔ دس ڈالر لگنے کی وجہ سے اسے بخار چڑھا، وہ چھٹی کر کے گھر کو گیا۔ ہم نے اگر تھوڑا صبر کیا ہوتا تو جہاز پہنچ ہی جاتا، یہ فکر اُسے کھائے جا رہی تھی۔ سائیکاٹرسٹ نے اُس سے کہا کہ آپ نے پیسے جمع کر کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں لیکن اس پیسے کو آپ نے خیرات (Charity) کے طور پہ استعمال نہیں کیا، لہٰذا معاشرے میں آپ کے لئے نفرت ہے۔ آپ جس جگہ جاتے ہیں، آپ کو نظر اندازی (Negligence)، توہین (Disgrace)، بے عزتی (Insult) ملتی ہے۔ اُس Disgrace, Insult اور Neglicence کی وجہ سے آپ بیمار ہوئے ہیں اور آپ کو پریشانی (Tension) اور ذہنی دباؤ (Stress) کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، Because of insult, because of disgrace and because of negligence in the society. (معاشرے میں نظر اندازی کی وجہ سے، بے عزتی کی وجہ سے اور توہین کی وجہ سے) اُس نے کہا کہ اب میں کیا کروں؟ تو سائیکاٹرسٹ نے اُسے بتایا کہ ایک تو تم نے اپنے کام اور آرام کے اوقات مقرر کرنے ہیں اور اگر آپ ۱۲ بجے کام ختم کر کے گھر آ گئے اور آپ کو فون آتا ہے کہ آپ کی فیکٹری کا فلاں گودام جل رہا ہے تو آپ نے اُسے کہنا ہے کہ Shut up, this is not my time to attend. (کہ بکواس بند کرو یہ وقت میرا ان مسائل کے لئے نہیں ہے)

اور اُسے کہو گے کہ جب میں سائٹ پر آؤنگا تو تم سے بات کرونگا، یہ لکھ کر اُس نے اسے دیا۔ اُس نے کہا کہ آپ پیسے خیرات کریں گے۔ راک فیلر نے اعلان کیا کہ میں پیسے Charity کے طور پر خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے جب سُنا تو اُنہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ راک فیلر سے پیسے مت لینا کیونکہ اُس نے اس سے بھی کمائی کا کوئی طریقہ نکالا ہوگا یعنی لوگ اُس سے پیسے لینے کے لئے نہیں آرہے تھے۔ بعد میں جب لوگوں کو تسلی ہوگئی تو پھر اس کے پیسے لئے۔ پینسلین کی ریسرچ میں اس نے پیسے دیئے۔ واقعی لوگوں نے جب اس کے پیسے لئے تو کہتے ہیں کہ اسے معاشرے میں نظر اندازی (Neglicence) کی جگہ اہمیت (Importance)، توہین (Disgrace) کی جگہ اعزاز (Grace) اور بے عزتی (Insult) کی جگہ اسے قدردانی (Respect) ملی۔ لوگ اس کے پاس حاضر ہوتے اور کہتے کہ ہماری تقریب (Function) ہو رہی ہے آپ ہمارے مہمانِ خصوصی (Chief Guest) ہوں گے۔ تو بیچارے ڈیل کا نیکی کی اتنی ہی سوچ اور Approach تھی کہ یہ مل جائے آدمی کو وہ مل جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ نیکی کر دریا میں ڈال اس نیکی سے ہم دُنیا والے لوگوں سے کوئی چیز چاہتے ہی نہیں ہیں۔ This is another relaxing point from stress. (یہ بات پریشانی کے دور ہونے کے لئے ایک مزید نکتہ ہے) This thing create a new field of stress for him. (کیونکہ مہمانِ خصوصی بننے کی سوچ ایک نیا اضطراب جنم دیتی ہے) کہ فلانے کو چیف گیسٹ بلایا مجھے کیوں نہیں بلایا؟ تو ہمارے ہاں یہ ایک عجیب اور نرالی چیز ہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال، ہم کچھ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ راک فیلر کو اتنی اہمیت دی گئی، کوئی کس کام کے لئے بلا رہا ہے تو کوئی کس کام کے لئے، یہاں تک کہ اُس گنجے آدمی کے سَر پر بال اُگ آئے، چہرے کی جھریاں ختم ہوگئیں، اُس کو بھوک لگنی شروع ہوگئی اور اُس نے کھانا شروع کر دیا۔ سبحان اللہ! خیر میں نے ساتھیوں کی کتاب واپس کی۔ کیونکہ ہر چیز اس میں Discussed ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہر چیز کی ہم بنیاد دیکھا کرتے ہیں، اس کتاب کی جو تان ٹوٹتی ہے تو وہ دولت، شہرت، عورت پر جا کے ٹوٹتی ہے، دولت، شہرت اور عورت اس کی بنیاد ہے۔ اور یہی وہ

انسان کی ناکامی ہے جس میں وہ مبتلا ہے۔

ایک تو ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ تعلق بنانا ہے، اُس کی رضا کے لئے کام کرنا ہے۔ اُس کام کرنے کی وجہ سے لوگ تعریف کریں تو کوئی خوشی نہیں ہے اور کوئی تعریف نہ کرے تو کوئی غم نہیں ہے، فقط اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں۔ بہر حال میں نے پہلے بھی یہ واقعہ سُنایا ہے۔ میرا ایک پڑوسی کمیونسٹ پروفیسر تھا، جس دِن وہ سوات چلا جاتا تھا، اُس کی بیوی مدرسہ کے بچوں کو بلا کر ختم کراتی تھی اور ہمارے گھر آ کر کہتی تھی کہ خدا کے لئے جب خان آجائے تو اُسے نہ کہنا کہ ہم نے ختم کرایا ہے۔ خدا کے لئے اُسے پتہ نہ چل جائے۔ خیر پڑوسی تھا ہمارا، میں نے کہا کہ ہم نے تو اُس کی قبر میں نہیں بیٹھنا ہے، اُس نے تو اپنی قبر میں خود بیٹھنا ہے۔ پڑوسی ہونے کے ناطے ہم سے جو خدمت ہوتی تھی ہم کرتے تھے اور وہ اس بات سے متاثر بھی تھا اور ہمیں اُس سے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔ اس لئے کبھی کبھی وہ ہمارے پاس باتیں کرنے کے لئے آجاتا تھا۔ چونکہ دانشور تھا تو وہ مجھے دانشورانہ طریقے سے کمیونزم کی دعوت دیتا تھا۔ ایک دفعہ ہم مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھے، اعتکاف کے بعد جب ہم واپس آئے تو وہ مجھ سے ملا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے عجیب طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کیونکہ اس طریقے سے تو آدمی سب سے کٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا کے آپ ٹھیک بات کہہ رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اس طریقے سے واقعی آدمی سب سے کٹ جاتا ہے۔ کٹنے کے بعد اللہ سے جڑ جاتا ہے اور پھر سب سے اللہ کے حکم کی روشنی میں جڑتا ہے۔ ماں باپ سے کیسے جڑنا ہے، بال بچوں سے کیسے جڑنا ہے، معاشرے سے کیسے جڑنا ہے، حکومت سے کیسے جڑنا ہے، عوام سے کیسے جڑنا ہے، ساری زندگی کے طبقات سے کیسے جڑنا ہے۔ اور وہ جڑنا بہت معیاری (Standard) ہے، ماں باپ سے جڑنا جو بیان ہوا ہے ایک ایسا Standard ہے کہ جس کا کوئی جواب ہی نہیں۔ بال بچوں کے کیا حقوق ہیں؟ لہٰذا وہ کٹنا ایسا ہے جیسے کہ ایک درزی پہلے کپڑے کو کاٹتا ہے پھر کپڑے کو گانٹھتا ہے۔ جب اُس کو گانٹھتا ہے تو ایسی Crease اور Fall کے ساتھ آدمی کے بدن کے مطابق درست (Adjust) کرتا ہے اور اُس سے جو حسن و جمال پیدا ہوتا ہے، وہ تو پھر دیکھنے کی چیز ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

سوائن فلو

(ڈاکٹر محمد سفیر، اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، نصیر ٹیچنگ ہسپتال، پشاور)

آج کل سوائن فلو کا ہر جگہ چرچا ہو رہا ہے۔ اخبارات اور میڈیا اس کے بارے میں غلط معلومات اور خوف پھیلا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حج جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی میں یہ ایک رکاوٹ بن چکا ہے۔ سعودی محکمۂ صحت نے بارہ سال سے کم اور ۶۵ سال سے زیادہ عمر کے لوگوں پر پابندی عائد کرنے کا سوچنا شروع کر دیا ہے کہ اس عمر کے لوگوں کو یہ مرض لاحق ہو سکتا ہے حالانکہ حقائق کی رو سے اس کے مریض بیس اور چالیس سال کے درمیان ہوئے ہیں۔ یہ حقائق کچھ یوں ہیں۔

اس بیماری کی وجہ ایک وائرس (Swine influenza virus) ہے۔ یہ کوئی نو دریافت شدہ وائرس نہیں ہے بلکہ یہ وائرس پہلی مرتبہ ۱۹۱۸ء میں دریافت ہوا تھا۔ یہ وائرس Flu یا Common cold وائرس فیملی سے تعلق رکھتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں Human Influenza Virus کہتے ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ہو جس کو زکام (Common cold) نہ ہوا ہو اور وہ مریض خود ہی یا دوائی سے ٹھیک نہ ہوا ہو۔ اگر عام زکام سے کسی مریض کی موت ہوئی بھی ہے تو یہ مریض پہلے سے ہی کسی خطرناک بیماری میں مبتلا رہا ہے جیسے خون کا کینسر یا کوئی اور کینسر اور امریکہ اور یورپی ممالک میں ایڈز جیسا مہلک مرض۔

اب ہم آتے ہیں سوائن انفلوئنزا وائرس کی طرف، یہ وائرس عام طور پر خنزیر میں پایا جاتا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں یہ وائرس پہلی مرتبہ خنزیر کی ایک قسم (جس کو سوائن کہتے ہیں) میں دریافت ہوا۔ سوائن فلو کا شکار وہ لوگ ہوئے جو سوائن خنزیر پال رہے تھے، اُن کی دیکھ بھال کر رہے تھے یا اُن کا گوشت کھا رہے تھے۔

۱۹۱۸ء میں سوائن فلو کی پہلی وبا (Outbreak) تھی۔ اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں امریکہ میں فروری کے مہینے میں دوسری بڑی وبا ہوئی اور اس بار بھی سوائن خنزیر سے انسانوں میں پھیلا۔ اس میں امریکی آرمی زیادہ متاثر ہوئی، اکثر مریض خود ہی ٹھیک ہو گئے اور ایک مریض کی موت ہوئی جو کہ پہلے سے سینہ کی تکلیف نمونیا یا سینے کے کینسر میں مبتلا تھا۔

۱۹۷۶ء کی اس وبا کے بعد امریکی محکمہ صحت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر امریکی کو سوائن فلو کا حفاظتی ٹیکہ

(vaccine) لگایا جائے تاکہ یہ مرض مزید نہ پھیلے۔ چنانچہ یکم اکتوبر سے گیارہ اکتوبر ۱۹۷۶ء تک چالیس ملین عوام کو سوائن فلو کے حفاظتی ٹیکے لگائے گئے۔ لیکن جلد ہی حکومت کو یہ پروگرام بند کرنا پڑا کیونکہ جن لوگوں کو یہ ٹیکے لگائے اُن میں سے اکثر یا تو ٹانگوں سے شل ہونے والی ایک بیماری جس کو گلین بارے سائنڈروم (Guillian Barre Syndrome) کہتے ہیں میں مبتلا ہوئے یا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بقول ایک امریکی ڈاکٹر کے

The Vaccine killed more americans than the disease did.

کہ بیماری سے زیادہ امریکی تو حفاظتی ٹیکوں نے مار دیئے۔

اس کے بعد سوائن فلو کی وبائیں ۱۹۸۸، ۱۹۹۸ اور ۲۰۰۷ میں خنزیر میں ہوئیں لیکن انسان اس سے محفوظ رہے۔

۲۰۰۹ء کی سوائن فلو کی وباء بھی امریکہ میں ہوئی اور اس کے بعد کینیڈا، چین، یورپ اور باقی ممالک میں پھیلی۔

سوائن فلو پھیلنے کی وجوہات:

سوائن فلو اُن لوگوں کو لگتا ہے جو خنزیر پالتے ہیں، دن رات اُن کی دیکھ بھال کرتے ہیں یا وہ لوگ جو خنزیر کا گوشت فروخت کرتے ہیں یا خنزیر کے گوشت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں یا اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

جن لوگوں کو سوائن فلو ہو جائے یہ لوگ پانچ سے سات دن تک جبکہ وہ مسلسل کھانس اور چھینک رہے ہوں اس دوران اگر یہ کسی انسان کے منہ کے بالکل آمنے سامنے کھانس لیں یا چھینک مارلیں تو اس صورت میں یہ وائرس دوسروں کو لگ سکتا ہے۔

۳۔ جنوری ۲۰۰۹ سے جولائی تک عالمی ادارۂ صحت کے سوائن فلو کے اعداد و شمار مسلم اور غیر مسلم ممالک میں:

جنوری سے جولائی ۲۰۰۹ء میں عالمی ادارۂ صحت کے مطابق پوری دنیا سے سوائن فلو کے

تشخیص شدہ بیماروں کی تعداد ۹۹۱۰۳ ہے۔ان میں سے ۹۸۵۵۴ مریض غیر اسلامی ممالک میں سے ہیں جو کہ کل تعداد کا ۹۹.۴۴ فیصد بنتے ہیں۔جبکہ پوری دنیا کے اسلامی ممالک سے صرف ۵۴۹ مریض ہوئے جو کہ ساری دنیا کے سوائن فلو کے آدھے فیصد سے بھی کم بنتا ہے۔اور اس بات کی نشاندہی نہیں کی گئی کہ یہ مسلمان مریض اسلامی ممالک میں رہتے ہوئے بیمار ہوئے یا یہ ان مغربی ممالک میں بیمار ہو کر اپنے ممالک میں آئے۔

وہ غیر اسلامی ممالک جو سوائن فلو سے متاثر ہوئے ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔	امریکہ	۴۳۹۰۲ بیمار
۲۔	برطانیہ	۴۴۴۷ بیمار
۳۔	تھائی لینڈ	۲۰۷۶ بیمار
۴۔	میکسیکو	۱۰۲۶۲ بیمار
۵۔	نیوزی لینڈ	۱۰۵۹ بیمار
۶۔	فلپائن	۱۷۰۹ بیمار
۷۔	جاپان	۱۷۹۰ بیمار
۸۔	چین	۲۰۴۰ بیمار
۹۔	چلی	۷۳۷۶ بیمار
۱۰۔	کینیڈا	۷۹۸۳ بیمار
۱۱۔	آسٹریلیا	۵۲۹۸ بیمار
۱۲۔	ارجنٹینا	۲۴۸۵ بیمار

۴۔ جنوری ۲۰۰۹ سے جولائی تک سوائن فلو سے ہونے والی اموات کے اعدادو شمار اور اموات کی وجوہات:

پوری دنیا سے سوائن فلو سے متاثرہ افراد کی تعداد ۹۹۱۰۳ ہے جن میں صرف ۴۷۴ افراد کی

موت واقع ہوئی ہے جو کہ کل تعداد کے آدھے فیصد سے بھی کم ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ یہ ساری اموات غیر اسلامی ممالک میں ہوئی ہیں۔ اسلامی ممالک میں کوئی موت نہیں ہوئی بلکہ سارے مریض صحت یاب ہوئے ہیں۔ یہ ۴۷۴ افراد جو سوائن فلو کے ساتھ داخل ہو کر مرے ہیں پہلے سے ہی کسی جان لیوا بیماری میں مبتلا تھے مثلاً خون کا کینسر، کوئی اور کینسر یا ایڈز۔ جن لوگوں کو کوئی اور خطرناک بیماری نہیں تھی وہ سوائن فلو سے ایسے ہی صحت یاب ہوئے جس طرح کوئی عام انسان زکام سے صحت یاب ہوتا ہے۔

۵۔ عالمی ادارۂ صحت (W.H.O) کا سوائن فلو سے بچنے کے لئے حفاظتی تجاویز و تدابیر۔

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق لوگوں سے ملنے کے بعد ہاتھوں کو پانی یا صابن کے ساتھ دھونا سوائن فلو سے بچنے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔

عالمی ادارۂ صحت کی دوسری تجویز حفاظتی ٹیکے لگوانے کی ہے جس کے غیر مؤثر ہونے کے بارے میں یہ الفاظ ہیں

The current trivalent vaccine influenza vaccine is unlikely to provide protection against new 2009 HINI strain.

ترجمہ: انفلوئنزا کا موجودہ ٹرائی ویلنٹ ویکسین ۲۰۰۹ء کے نئے **HINI** وائرس کے خلاف حفاظت نہیں کر سکتی۔

ان حقائق کی روشنی میں حج کے دوران بارہ سال سے کم اور ۶۵ سال سے زیادہ عمر والے افراد پر پابندی لگانا بہت ہی بیوقوفانہ حرکت ہوگی۔ حج کے دوران بخار، کھانسی، نزلہ وغیرہ تکالیف کی وجہ بہت زیادہ ٹھنڈا پانی پینا اور غارِ ثور، غارِ حرا پر چڑھ کر نیز بہت زیادہ عبادت کی مشقت کر کے قوتِ مدافعت کا کمزور ہونا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

"پیرہن یوسف"

(حضرت جی مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ، بستی نظام الدین، بعد نماز فجر، ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء)

جان دینے کا تعلق عشق و محبت سے ہے۔ عشق و محبت سے جان دینا آسان ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کا ہی مطالبہ کرتے ہیں۔ ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک ان (اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت نہ جُڑ جائے۔ عشق کا مادہ ہر ایک میں موجود ہے لیکن یہ مختلف چیزوں میں منتشر ہوتا ہے۔ کچھ اولاد مال وغیرہ ہزاروں میں بکھر گیا۔ اگر سب سے نکل کر سمٹ کر ایک میں جڑ جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ اللہ میں ہو تو اسے حقیقی کہتے ہیں اور غیر اللہ میں ہو تو مجازی ہے۔ عشق مجازی میں لوگوں نے کتنے کتنے مصائب اور تکالیف اُٹھائیں۔ عشق ایسی چیز ہے کہ جو محبوب میں ہے کھچ کر محبّ میں آتا ہے۔ اگر غیر اللہ میں ہے تو اس کی گندگی اس میں آئے گی اگر اللہ سے ہے تو کمالات الٰہیہ کو اپنے میں کھینچے گا یہاں تک کہ یہ مظہر الٰہی بن جائے گا۔ کمالات، اخلاق حسنہ، خوبیوں کو دل کھینچے گا۔ جو اللہ سے اٹک گئے تو وہ غیر اللہ سے کٹ کر اللہ سے جڑ گئے۔ جتنا انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کو جن سے نظامِ عالم قائم ہے اپنے میں کھینچے گا اتنا عالم اس کے تابع ہوگا۔ ایک گروہ وقوم کو اس مقام پر لاکر کھڑا کردو جس مقام پر وہ محبوب کی صفات کو اپنے میں کھینچے تو نظام عالم جو خدا کی ذات وصفات پر قائم ہے، جو انسان حق تعالیٰ کے لئے اپنی محبت خاص کر لیں یعنی طاقتور محبت ہو تو خدا کی صفات کا فیضان ہوگا ان لوگوں پر، اللہ تعالیٰ کی صفات وکمالات کا نور ان پر آئے گا، عالم کا نظام ان کے آگے جھکے گا، حکومتیں دولتیں جھکیں گی۔ صورت انسان کے سامنے جھکنے کی ہوگی، لیکن اصل خدا کی صفات کے سامنے جھکے ہوں گے۔ پس انتہائی آسان راستہ ہے کہ عشق کے مادہ کو سب سے سمیٹ کر کھینچ کر اللہ میں لے آئے۔

یہ محنت کرنی ہے کہ اللہ کے علاوہ ہمارے دل میں جو کچھ بھرا پڑا ہے، ہم میں عزت کا جذبہ، دولت کا، شہرت کا، غیر کے جذبے بھرے ہوئے ہیں، جب تک غیر کے جذبے دل میں بھرے پڑے ہوں گے تو ذاتِ حق کے فیضان کا ورود مسعود ہوتا نہیں۔ عشق کبھی دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے لیکن اس پر

منحصر نہیں، تذکرہ سے ذکر سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ خدا میں محبت کی وہ تمام چیزیں بدرجہ اتم جمع ہیں جس کو ہم غیر اللہ میں کسی حد تک پا رہے ہیں اور جس پر ہم محنتیں کرتے ہیں، تو ہماری محبت اُن میں جڑ رہی ہے۔ اگر ہم ان سب سے اپنے کو نکال لیں اور اپنے کو خدا کی محبت، علم الٰہیہ، اللہ تعالیٰ کے صفات و اخلاق، عبادت اور اللہ کے راستے پر محنت کرنے لگیں اور خدا کے لیے ہماری مالیت قربان ہو تو مصیبتیں ٹلیں گی۔ جتنا اللہ کی صفات، ان کے علوم، اخلاق و اخلاص کو اپنے اندر لینے کی کوشش کریں گے اتنا ہی ذاتِ حق کا فیضان آئے گا۔

علم بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، عبادت بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک طرف مال و دولت ہو، سب غیر اللہ ہو لیکن محبت سب سے سمٹ سمٹ کر اللہ کی طرف آ رہی ہو، خواہشاتِ نفس، اولاد مال ہر چیز سے محبت نکل رہی ہو اور خدا کی طرف جڑ رہی ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے علوم کا، خدا کی صفتِ نور کا فیضان ہوگا، صفتِ قوت، صفتِ عدل کا فیضان ہوگا۔ سب سے پہلے فرشتے جھکیں گے، پھر انسان کے آگے وہ نظام جھکے گا جو فرشتوں سے متعلق ہے، پھر وہ انسان جھکے گا جو ظاہر میں ہے یعنی اس کے پیچھے جو نظام عالم ہے وہ جھک جائے گا۔ اس میں مالیات کے سامان شرط نہیں ہیں ہو تو خرچ کرنا شرط ہے۔ کما کر خرچ کرنا شرط نہیں کہ نہ ہوگا تو ایمان نہیں آئے گا۔

خداوند قدوس کی محبت جان لو کہ ایسی محنت کرنے سے آئے گی جس میں غیر سے ٹوٹ کر اللہ کے تقاضے پورے کرنے لگیں۔ انسان کے اندر بڑے بڑے تقاضے ہیں "زین للناس حب الشھوات .... الخ." اس کی محبت جڑی ہوئی ہے اولاد، بیوی، مال وغیرہ کے ساتھ۔۔۔

اللہ تعالیٰ کے تقاضوں پر چلتے چلتے ایک کمالی درجہ ہے، تقویٰ ہماری منزل جب ہوگی جب تم محبت کی اُس منزل پر پہنچ جاؤ۔ جب تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے، اَلصّٰبرین و الصّٰدقین و القٰنتین والمنفقین والمستغفرین باالاسحار کرنے والے بن جاؤ، شہوات کو روک کر امتثال امر کا جذبہ پیدا ہو۔ غیر کی طرف نہ جھکیں، ان کے تقاضے کی طرف نہ جھکیں۔ اللہ تعالیٰ کے تقاضوں پر جھکیں، اللہ تعالیٰ کے تقاضوں اور احکام پر چلنے والے بنیں۔ صبر یہ ہے کہ اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والے

بنیں۔صادقین،ہم نے کہا امنت باللہ بصورتِ ایمان مفصل وایمانِ مجمل۔ان اللّٰہ الشتریٰ من المومنین ... اس میں جب صادق بنے گا،جب ان پر عمل کرنے والے بنے،خواہشات کے تقاضوں سے رکے اوراُن کے تقاضوں پر چلے جو''امنا'' سے پیدا ہو رہے ہیں،قرآن میں ہیں،اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کون سچے ہیں کون جھوٹے ہیں،زندگی خود بتا دیتی ہے کہ سچے ہو یا جھوٹے ہو۔

لن تنالو البر۔''بر'' کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک محبوبات کو خدا کے لیے خرچ نہیں کروگے۔لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب....اپنی جان ومال کواللہ کی محبت پر لگاؤ .لا الہ الا اللّٰہ جب سچا ہوگا جب جان ومال میں اللہ کا نقشہ آجائے۔یہ حاصل ہوتا ہے محبت الٰہی سے،محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔جیسے عاشق کومعشوق،محبّ کومحبوب کی فکر لگ جاتی ہے اسی طرح یہ فکر لگ جائے کہ اللہ تعالی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے خوش ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انسان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ انسان ہر ایک سے محبت توڑ کر اللہ سے جوڑ لے۔اس کے لیے ہر چیز قربان کروائی جائے گی لیکن اس کے بعد جو نقشے قائم ہوں گے ان میں حکومت بھی ہوگی ،زراعت،تجارت ہر چیز ہوگی لیکن اللہ کے نقشوں پر ہوگی اس میں اللہ کا نور ہوگا۔

اللہ پر جان و مال دن کے وقت لگاؤ اور رات کو خدا سے رو رو کر مانگو تو یہ نقشے قائم ہوں گے۔چوبیس گھنٹے اللہ پر لگائیں پھر کہیں ہائے مجھ سے کچھ ہوا نہیں،وہ تو بہت بڑے ہیں اللہ اکبر۔ہر عمل جب قابلِ استغفار بن جائے گا،جب اللہ کو سامنے رکھ کر عمل کروگے کہ وہ حمد والے ہیں۔قرآن و نماز و تبلیغ پر استغفار ہوگا،جب اللہ کے کمال کو سامنے رکھ کر سبحان اللہ والحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کو سامنے رکھ کر فکر کروگے تو تقویٰ تم میں پیدا ہوگا جنت ملے گی،باغ و بہار ملیں گے۔نظام عالم جھک جائے گا،حکومتیں جھکیں گی۔اگر شخص ہوگا تو اشخاص جھکیں گے اور قوم ہوگی تو قومیں جھکیں گی۔حدیث میں ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو حاملین عرش سے کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی محبت کرو۔اسی طرح ساتویں،چھٹے آسمان وغیرہ کے فرشتے۔انسان جب قدم اٹھاتا ہے تو اللہ اس کو محبت قرار دیتے ہیں۔ہم اگر ان کے تقاضوں پر چلیں۔جس قدر محبت بڑھے گی اللہ کی محبت بڑھتی چلی

جائے گی۔اگر شخصی محنت ہوگی تو شخصی محبت ہوگی،اگر جماعتی محنت ہوگی تو جماعتی محبوبیت پیدا ہوگی۔جتنا تعلق قائم ہوتا ہے،جتنی جتنی محبت بڑھتی ہے اس کے احکامات پہلے آسمان پر آتے ہیں جس پر اس عالم کا نظام قائم ہے پھر زمین پر اس کی محبت آتی ہے پھر حیوانات مچھلیوں میں آتی ہے،آخیر میں انسان کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔کفر وفسق سے لوگ اُچک اُچک کر اس کی طرف آئیں گے۔لیکن اس کے لیے محنت کا ایک میدان قائم کرنا ہوگا کہ میری محبت خدا سے قائم ہوجائے۔خدا کے لیے جان ومال لگانے،عبادت کرنے،اپنی خواہشات کو چھوڑنے،جہاں جی چاہ رہا ہو اُنہیں چھوڑنے،اپنے گھر کو اس کے لئے چھوڑنے سے محبت آجائے گی اور زندگی کا سارنقشہ پلٹ جائے گا۔اس عالم کا نظام،حشر کا نظام،اللہ کے جتنے نظام ہیں وہ سب ہمارے موافق ہوجائیں گے۔اللہ کی محبت آئے تو اللہ محبت کرنے لگتے ہیں،محبت کا سرچشمہ بھی تو ان کی ذات ہے۔

تین چلّے اس لیے مانگے جاتے ہیں کہ محبت میں بھی بڑھتے رہیں اور دوسرے کام کاج بھی جاری رہیں۔اس لئے مانگ رہے ہیں کہ ان چیزوں سے محبت کٹ جائے۔اگر چہار مہینے ہم دیں اور اس کو رواج دیں تو محبت آئے گی،تو عالم کا نظام عافیت اور سہولت کے ساتھ باطل سے حق کی طرف بدل جائے گا۔لوگ کہہ آٹھیں گے کہ اللہ کی قدرت نے بدل دیا۔تین چلّے کا رواج ہوجائے تو حکومتیں آئیں گی،حکومتوں میں اسلام آئے گا۔یورپ سے لوگ دین سیکھنے آئیں گے۔تین چلّے دینے مشکل ہیں نہیں۔تین چلّے میں اس لیے نکلو کہ محبت کا رُخ دوسروں سے پلٹ کر اللہ کی طرف آجائے۔اے بھائی جب تک تین چلّے کا رواج نہیں ڈالیں گے ہماری محبتیں نہیں بدلیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالتِ نزع

(ڈاکٹرفہیم شاہ صاحب، ڈسٹرکٹ میڈیکل اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

ایک رات ایمرجنسی میں مجھے ہسپتال سے بلاوا آیا کہ ایک مریضہ کی حالت نازک ہے آکر معائنہ کرلیں۔ میں رات کو ہسپتال پہنچا ساتھ ڈیوٹی پر موجود ایک ڈاکٹر صاحب بھی تھے۔ جب میں مریضہ کے کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک لڑکی جس کی عمر انیس یا بیس سال کی ہوگی زمین پر بیٹھی ہے۔ اپنے بستر کو چھوڑ کر فرش پر بیٹھنا بے چینی کی علامت ہے۔ اپنے سارے جسم کو سمیٹے ہوئے اور سر کو جھکائے اپنے سانس کو درست کرنے کیلئے مسلسل پہلو بدل رہی تھی۔ ساتھ میں اس کا سسر تھا جو اس کو سہارا دینے کیلئے زمین ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے ساتھ کھڑی نرس سے کہا کہ ان کو اپنے بستر پر بٹھا دیں تا کہ آکسیجن لگانے میں آسانی ہو اور میرے لئے معائنہ کرنا بھی آسان ہو۔ اس کو بڑی مشکل سے سہارا دے کر بستر پر بٹھا دیا گیا۔ چہرے کا رنگ نیلگوں اور ہونٹ اور زبان سیاہی مائل نیلگوں تھا جو آکسیجن کی کمی کی علامت تھی۔ نتھنے سانس کی بے ترتیبی کی وجہ سے پھولے ہوئے۔ گردن کی رگیں قدرے اُبھری ہوئیں تھیں۔ سانس اندر مشکل سے لیتی تھی جس کی وجہ سے وہ ایک جگہ پر صحیح طریقہ سے بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ لیٹنا تو بہت ہی مشکل تھا کہ فوراً سانس بند ہوتا۔ بخار کی تیزی سے حالت مزید خراب ہوتی جارہی تھی۔ مریضہ اپنی زبان سے اپنی تکلیف کا احساس دلانا چاہتی تھی لیکن ایک دو لفظوں کے علاوہ مزید کچھ نہ بتا سکی۔ اس کا داخلہ ہسپتال میں سخت بخار کی وجہ سے ہوا تھا۔ شروع میں صرف بخار تھا لیکن آہستہ آہستہ سینہ بھی خراب ہوگیا۔ جس کی بنیادی وجہ جو میری سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ غالباً چار ماہ کا حمل خراب ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے اندر بچے کی موت نے ماں کی حالت مزید خراب کردی تھی۔ اس کو اپنی تکلیف کی وجہ سے اپنی جسمانی حالت کا کچھ بھی اندازہ نہیں تھا۔ سر سے چادر سرک گئی تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے، جسم کے کپڑے بے ترتیب۔ اس کا معائنہ کرنے کے بعد کچھ ادویات کا میں نے اضافہ کردیا۔ لکھنے کے

ساتھ ساتھ میں نے ان کو تسلی دی کہ اللہ خیر کرے گا، پریشان نہ ہوں۔ اس کا سسر کافی پریشان تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ جب میں وہاں سے چلنے لگا تو اس عورت نے ایک حسرت سے میری طرف دیکھ کر اپنے سر کو نیچے جھکا لیا جیسے کہہ رہی ہو بھائی صاحب میری تکلیف کا تمہیں اندازہ نہیں، تسلیاں دینا تو آسان ہے لیکن جس پر گزر رہی ہو اس کو پتہ ہوتا ہے۔ اگر میرا بھی بھائی ہوتا یہاں پر موجود تو اس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنی تکلیف کا حال بیان کرتی یہاں نہ میرا بھائی نہ ماں نہ والد نہ شوہر اور وقت آخر ہے۔ اس کی اس تکلیف کا احساس بھلا مجھے کیسے ہو سکتا تھا۔ لیکن احساس مجھے بھی ہوا اور ہر ذی روح کو ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملقیکم ثم تردون الیٰ علم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعلمون

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آ پکڑے گی۔ پھر تم اس پاک ذات کی طرف لے جائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جاننے والی ہے پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام جتاوے گی۔ (اور ان کا بدلہ دے گی)

حضرت عمرؓ نے حضرت کعب سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کرو انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کر دیا جائے جس کے ساتھ بدن کا ہر جزو لپٹ جائے پھر ایک دم اس کو کھینچ لیا جائے اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے۔

اس کے بعد میں تو نکل آیا اس کمرے سے لیکن اس کی تکلیف میں کمی نہ ہوئی۔ بقول ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کے کہ سانس کی تکلیف زیادہ ہونے کے بعد اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ پھر اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہوگئی۔ اپنا سر آہستہ سے بستر پر رکھ دیا جس کو اس نے کافی دیر سے آگے جھکایا ہوا تھا چالیس منٹ بعد اپنی جان اپنے پیدا کرنے والے کے حوالے کر دی۔

نزع کی سختی اور تکلیف بظاہر زحمت لیکن در پردہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ جس سے

مومن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور قبر میں ایسے جار ہا ہوتا ہے کہ اُس کے لئے جنت کی کھڑکی کھلنے کی منتظر ہوتی ہے۔

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں، کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

ایک دس گیارہ سالہ بچے کو میرے پاس اس کا ایک تعلیم یافتہ رشتہ دار لے کر آیا جس کو چھوٹے پیشاب کی تکلیف تھی کہ اس کا پیشاب رک کر اور جل کر آتا ہے۔ مریض کا والد انتہائی غریب آدمی تھا۔ کچھ پیسے قرض مانگ کر میرے پاس مریض کو بھیجا تھا۔ خود ان پڑھ ہونے کی وجہ سے نہ آسکا کہ ڈاکٹر حضرات کے ساتھ بات کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ میں نے اس مریض کے ٹسٹ کروائے اور تشخیص کر کے اپنے جاننے والے سرجن کے حوالے کر دیا کہ اس کے پیشاب کی نالی تنگ ہے جس کا آپریشن کرنا ضروری ہے۔ اس سرجن کا اللہ بھلا کرے میرے کہنے پر ان کی کافی مدد کی۔ آپریشن کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس کے ماں باپ بڑے خوش تھے۔ مجھ سے ملنے بھی آئے اور ساتھ اس کی ماں کی تکلیف بھی بتائی کہ یہ بھی مریضہ ہے۔ میں نے اسے دوائی لکھ دی کہ اللہ فضل کرے گا۔ ان کے کپڑوں کی حالت سے غربت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ کچھ جگہوں سے کپڑے پھٹے ہوئے اور ساتھ کچھ جگہوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا جو مجھے آج تک یاد ہے۔ کچھ عرصہ گزرا۔ بچوں کی گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں یہ بچہ گاؤں کے ایک سرکاری سکول میں پانچویں کا طالب علم تھا۔ کالے رنگ کے کپڑے سر پر ٹوپی رکھے صبح باقی بچوں کے ساتھ وہ سکول جایا کرتا۔ ماں اس کو گھر کے دروازے تک چھوڑنے آتی۔ والد کی حسرت تھی کہ بچہ ہمارا کچھ پڑھ لکھ جائے تو آگے ہمارے گھر کا بھلا ہو۔ ایک دن گرمی سخت تھی۔ یہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ کھیتوں کی طرف گیا تاکہ گوبر چنے۔ بعض لوگ گوبر کو برابر سرا بر کر کے بیچتے ہیں۔ اپنی ماں کے ساتھ ہنستا کھیلتا باتیں کرتا ہوا گوبر بھی چنتا گیا جب کافی سارے گوبر اکھٹا ہو گیا تو واپسی کی راہ لی

واپسی پر اپنی ماں سے چھوٹی سی فرمائش کی کہ آج جب گوبر بک جائے تو میرے لئے کرنے (لوبیا) خرید لیں تاکہ میں کھا سکوں۔ گھر واپس آتے آتے بچے کو بخار چڑھ گیا ماں پریشان ہوئی، ٹھنڈی پٹیاں رکھیں تاکہ بخار اترے۔ دوائی کا بندوبست نہ ہوسکا۔ شام ڈھلے والد گھر آیا تو بچے کی بیماری سے پریشان ہوگیا۔ دوسرے گاؤں میں چھوٹے ہسپتال کو بچہ کو لے گیا، کچھ دوامل گئی۔ جس سے علاج شروع کر دیا۔ لیکن علاج سے کچھ آفاقہ نہیں ہوا۔ اتنے پیسے نہیں تھے کہ بچے کو بڑے ہسپتال لے جاتے۔ بیماری بڑھتی گئی۔ اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو بچہ ماں کی آغوش میں کراہ رہا تھا۔ ماں کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھیں کبھی بند کر دیتا کبھی کھول لیتا۔ ماں اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتی لیکن وہ جواب دینے سے قاصر تھا۔ ماں اسے کہتی تو ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھو تم ٹھیک ہو جاؤ تو میں تمہارے لئے کرنے خرید لوں گی۔ لیکن وقت آخر کے ضعف نے اسے بولنے کی اجازت نہ دی۔ اور وہ خاموشی سے ماں کے آغوش سے موت کی آغوش میں جا پہنچا۔ ماں بہت روئی، باپ کی آنکھ سے آنسوؤں کا ایک تار بندھ گیا جنازے کا اعلان ہوگیا۔ باہر دروازے پر لوگ اس بچے کو لینے آگئے کہ تدفین کر دی جائے۔ ماں نے بہت مشکل سے بچے کو ان کے حوالے کیا۔ ماں کے جگر کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا۔ روتے روتے آخر صبر آ ہی جاتا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیاں بچوں کی ختم ہوئیں باقی گاؤں کے بچے سکول کا لباس پہنے سکول جانا شروع ہوگئے ماں نے کالے رنگ میں ملبوس بچوں کو سکول جاتے دیکھا تو اپنا بچہ یاد آیا۔ زخم پھر تازہ ہوگیا جو اس کی آنکھ سے بہہ پڑا وہ اندر کمرے کو دوڑی شوہر اندر موجود تھا۔ اس کی ہیجانی کیفیت کا اثر اس پر بھی ہوا۔ ماں نے بچے کا پڑا ہوا بستہ اٹھایا اور باپ نے بچے کے کپڑے ہاتھ میں لے لئے۔ ماں زور زور سے یہ کہتی ہوئی گلی کی طرف آئی کہ بیٹا چلو یہ کپڑے پہنو اور بستہ ہاتھ میں لو تمہارے دوست سکول جا رہے ہیں۔ پھوٹ پھوٹ کر روتی بھی رہی اور بچے کو آوازیں بھی دیتی رہی پڑوس کی عورتیں آئیں اس کو گھر کے اندر لے گئیں لیکن وہ برابر اپنے بیٹے کو یاد کر رہی تھی۔ اندر بیٹے کی جدائی کا زخم ہرا ہو گیا تھا۔ لیکن کیا کرتی آخر چپ ہوگئی اسے پتہ تھا کہ میرا بیٹا ایسی جگہ گیا ہے جس جگہ سے واپسی نہیں ہوا کرتی۔

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بچے کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ قضائے الٰہی سے بچہ فوت ہو گیا جس کے بعد باپ بھی کچھ دن حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غیر حاضری محسوس فرمائی پوچھنے پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا بچہ فوت ہو گیا ہے جو آپؐ نے دیکھا تھا۔ ارشاد فرمایا تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی۔ چلو ہم اپنے بھائی کی تعزیت کو چلیں۔ صحابیؓ کے گھر کو شرف وسعادت بخشا اور اُس سے غم واندوہ میں مبتلا دیکھا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے ایام کے لئے اس کے سہارے اور نفع کی امید لگائے ہوئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو قیامت کے دن حاضر ہو گا تو اس بچے کو کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا یا اللہ! میرے والدین تو باہر ہیں۔ اسے تین دفعہ جنت میں داخل ہونے کا کہا جائے گا مگر وہ ہر بار والدین کی سفارش کرے گا حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے اور تم سب کو اکٹھے ہی جنت میں داخل فرمائیں گے۔ یہ بات سن کر صحابیؓ کا غم غلط ہو گیا۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیت کے لئے جانا مسنون عمل ہے۔ کسی بھائی کو مصیبت پہنچے تو دوستوں اور بھائیوں کی تعزیت کے لئے جانا چاہئے۔

(تنبیہ الغافلین صفحہ ۲۶۵ از فقیہہ ابواللیث ثمرقندی رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆☆☆☆☆

فقہ حنفی میں سنت کی اہمیت (آخری قسط)

(حکیم الامت، مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مستحب کیسے بدعت بن جاتا ہے:

میں مستحب کو بدعت نہیں کہتا، اس کو ضروری سمجھنے کو بدعت کہتا ہوں۔ اگر مستحب کو کوئی واجب سمجھ جائے تو کیا یہ بدعت نہیں ہے؟ اور لازم، ضروری، واجب کے ایک ہی معنی ہیں۔ غیر لازم کو لازم سمجھنا بدعت وضلالت ہے اور اس کے تارک یا مانع پر ملامت کرنا اس کے بدعت ہونے کو اور زیادہ مؤکد کر دیتا ہے۔

شیرینی کو لازمی سمجھ کر بانٹنا بھی بدعت ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ مستحب فعل سے اگر عقیدہ میں فساد ہو جائے تو اس مستحب کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ کیا یہ بدعت نہیں کہ غیر واجب کو واجب سمجھتا ہے، کیا یہ بدعت کی تعریف میں داخل نہیں؟

حقیقت میں سنت اور بدعت کی صرف ایک ہی قسم ہے۔

یہ ایک سے زیادہ تعداد محض ظاہری ہے ورنہ حقیقت میں سنت کے معنی ہیں، "ھی الطریقة المسلوكة فی الدین كما هو مذكور معد العبارة الاولى" یعنی دین میں اختیار کیا گیا طریقہ اور یہ سب معانی سنت کو شامل ہیں اور بدعت کے معنی ہیں، "اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا لمعاندة بل بنوع شبهة. (نصوص کے خلاف عمل اگر شبہ سے ہے تو بدعت ہے ورنہ فسق ومعصیت بلا شبہ ہے۔) یا بعنوان دیگر ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن الرسول صلى الله عليه وسلم من علم، او عمل، او حال الخ، كذا فى الدر المختار و هذا المعنى الحقيقى للبدعة مراد فى قوله صلى الله عليه وسلم؛ من احدث فى امرنا ... الحديث (كذا فى رد المختار فى بحث الامامة).

پس سنت حقیقیہ وبدعت جمع نہیں ہوسکتیں۔ لیکن بدعت صوریہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ چنانچہ تلفظ بنیۃ الصلوٰۃ (نماز کی نیت کو الفاظ میں ادا کرنا) کو سنت کہا گیا ہے۔ بعض معنی کے اعتبار سے کہ وہ معنی سنت حقیقیہ کی ایک قسم ہے اور بدعت بھی کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار

سے۔اس لیے اس کو بدعت مان کر حسن کہا گیا ہے جو صریح دلیل ہے کہ بدعت اپنی اقسام کے لحاظ سے سنت حقیقی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور یہ اجتماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول نعمت الالبدعة سے بھی مؤید ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت حسنہ کی جو بعض اکابر نے نفی کی ہے یہ لفظی اختلاف (کیونکہ) نافی (انکار کرنے والے نے) اپنی اصطلاح میں بدعت کو حقیقی کے ساتھ خاص کیا ہے اور مثبت (اثبات کرنے والے) نے بدعت کو عام لیا ہے۔اور یہی راز ہے کہ صحابہؓ کو تو کسی امر کے منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت) نہ ہونے سے اس کے سنت ہونے میں شک ہوتا تھا اور بعد کے حضرات کو صحابہ یا تابعین سے منقول نہ ہونے سے شک ہوتا تھا وھکذا۔حتیٰ کہ ہمارے لیے وہ چیز بھی سنت ہوگی جو علمائے راسخین نے اصول شرع سے سمجھی ہے۔اس سے تعدد و معانی سنت کو تقویت ہوگی،یعنی اس تشریح سے سنت کے متعدد معنی میں ذکر کیے جانے اور استعمال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

سنن عادیہ و سنن عبادیہ کی حدود،سنن عادیہ کا حکم:

ایک صاحب نے استفسار کیا کہ کیا بکریاں پالنا سنت ہے؟فرمایا جی ہاں! سنت ہے۔لیکن سنت عادیہ ہے سنت عبادت نہیں اور اصل مقصود سنت عبادت ہے۔البتہ سنت عادیہ میں اگر منشاء اس کا محبت ہے تو اس میں ثواب اور برکت ہے۔اس میں غلو یعنی سنت عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جائے۔بعض اس کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا۔یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے۔اس کا منشاء تو محبت ہے۔باقی اس کے پیچھے پڑ کر اکثر لوگ ضروریات دین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں۔سو اس میں اگر ایسا غلو ہو تو دین سے بے کار ہو جائے گا۔ہر شے کو اپنی حد پر رہنا چاہیے۔

سنت عبادت میں یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لیے کسی خرابی کا احتمال غالب ہو تو مستحب کو چھوڑ دینا واجب ہے۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول جمعہ کے روز فجر میں الم تنزل اور سورہ دھر پڑھنے کا تھا مگر امام ابو حنیفہؒ نے اس کو مکروہ قرار دیا،اسی واسطے تو کم فہم لوگوں نے حضرت امامؒ پر مخالف سنت ہونے کا الزام لگایا ہے۔میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بجائے گیہوں کے)''جو'' عادۃً کھایا ہے یا عبادۃً؟ ظاہر ہے کہ عبادۃً نہیں کھایا۔پھر عادت نبویہ کا اتباع شریعت میں واجب نہیں نہ ان کے ترک میں کوئی گناہ

ہے۔عادات میں مزاج وغیرہ کالحاظ کرنے کا اختیار ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات ایسی ہیں جن کو ہم برداشت نہیں کرسکتے۔اس لیے شریعت نے عادت نبویہ کا اتباع واجب نہیں کیا۔ہاں!اگر کسی کو ہمت ہو اور عادت پر عمل کرنا نصیب ہوجائے تو اس کی فضیلت میں شک نہیں مگر اس کو دوسروں پر طعن کرنے کا بھی حق نہیں۔

اسوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں،قولی وعملی:

قرآن شریف میں ہے؛ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.** جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے۔نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے؟ یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

پھر خداوندی لطف یہ ہے کہ اس نمونہ میں بھی کچھ تنگی نہ کی۔دو قسم کا نمونہ دیا۔فعلی اور قولی۔اور یہ محض رحمت ہے کہ اتنی وسعت کردی کہ کچھ بھی دقت باقی نہ رہی۔

اشکال۔۔۔۔جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نمونے ہم کو دکھائے ہم کو بالکل ان پر عمل کرنا چاہیے۔مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جو کی روٹی کھائی ہے اور دنیا میں تنگی کے ساتھ گزر کی،نہ رنگ برنگ کھانے کھائے،نہ مکان سجائے،نہ درہم دینار رکھے اور ہم نہ جو کھاتے ہیں،نہ کسی قسم کی تنگی کرتے ہیں، کپڑا بھی اچھا پہنتے ہیں،مکان میں بھی تکلف کرتے ہیں،روپے پیسے بھی جمع رکھتے ہیں اور ان سب باتوں کو علماء جائز کہتے ہیں تو یہ نمونہ سے مطابقت نہ ہوئی۔

جواب۔۔۔۔جواب یہ ہے کہ نمونہ دو قسم کا دیا گیا ہے۔قولی وفعلی۔فعلی تو ایک خاص ہیئت ہے اور قولی ان حدود کی تعین شرعی ہے جن سے باہر نکلنا جائز نہیں۔مگر خود ان کے اندر وسعت بہت ہے۔ہم کو اعمال شرعیہ میں حدود بتلا دیے گئے ہیں کہ ان سے باہر نہ ہوں اور ان حدود کے اندر جتنی گنجائش ہو عمل کرلیں۔یہ واجب اور ضروری ہے۔عشاق نے تو نمونہ فعلی کی مطابقت کرکے دکھا دی،وہی کھایا،وہی پیا،اسی طرح دنیا گزاری مگر خیر ہم جیسوں کے لیے گنجائش ہے کہ ان حدود تک اپنی خواہش کو پورا کریں مگر ان سے آگے نہ بڑھیں۔ہر کام میں خیال رکھیں کہ حدود شرعی کہاں تک ہیں۔ان کے اندر بھی آپ رہیں گے تو نمونہ کے مطابق عمل کرنے والے کہلاسکیں گے۔

اسلامی معاشرے میں نوجوانوں کی اصلاح

(عباس صاحب، حیات آباد، پشاور)

ہمارے شیخ ومربی حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں ''انسان گوشت، پوست اور ہڈی، چمڑے کا نام نہیں، بلکہ یہ تو شخصیت کا نام ہے۔،،

اگر کسی آدمی کی شخصیت پختہ اور سوچ وفکر مثبت ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اچھا آدمی ہے اسی طرح اگر کسی آدمی کی شخصیت ناقص اور سوچ وفکر منفی ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ برا آدمی ہے حالانکہ بظاہر دونوں کی آنکھیں، ہاتھ، پیر دو ہی ہوتے ہیں اور ناک، زبان، دِل، دِماغ، معدہ، اور جگر ایک ہی ہوتا ہے۔ لہٰذہ جس چیز سے انسان کی پہچان ہوتی ہے وہ اُس کی شخصیت اور سوچ وفکر ہے نہ کہ گوشت، پوست، ہڈی، چمڑا۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو پیدائشی طور پر نہ تو وہ عالم ہوتا ہے، نہ ڈاکٹر، نہ انجینئر، نہ چور، نہ ڈاکو۔ بلکہ پیدائش کے بعد وہ کس ماحول میں پھلتا پھولتا ہے اور اُس کو کس معیار کا طرز فکر دیا جاتا ہے۔ یہ ماحول اور یہ طرز فکر اُس کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے۔ پھر جب کبھی اُس شخصیت کو آزادی ملتی ہے تو یہ دیئے ہوئے طرز فکر پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ساری بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کو انسان بنانے کے لئے پیدائش کے بعد سے نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بچپن ہی سے اُس کی عادات واطوار کو، اُس کی پسند وناپسند کو جانچ کر اُس کو مطلوبہ سانچے میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ اسلام اور اسلامی معاشرہ تب ہی صحیح طور پر وجود میں آتا ہے جب اس معاشرے میں رہنے بسنے والے مسلمان صحیح اسلامی عقائد واحکامات سے آشنا ہوں اور اُن پر عمل پیرا ہوں۔ اسلامی معاشرہ نوجوانوں کی دینی ودنیاوی دونوں میدانوں میں پختہ تربیت اور تعمیر شخصیت کا سب سے زیادہ حامل ہے۔ جس میں والدین کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پیدائش ہی سے تربیت کی فکر کریں اور لمحہ بہ لمحہ اُن کے ہر عمل وطور طریق کو مشاہدے میں رکھ کر معمولی غلطی پر بھی چشم پوشی سے کام نہ لیں۔ اور اُن کو وہ تمام مواقع اور ماحول فراہم کریں۔ جس میں اُن کی پختہ شخصیت سازی ہو۔ لیکن افسوس کہ اس کے برعکس بظاہر چمکتے ہوئے یورپ کی جہالت نما طرزِ زندگی کی طرف ذہنی جھکاؤ اور فرنگی کی مسلمانوں کی تباہی کے لئے ایجاد کردہ میڈیا نے ہمارے اسلامی معاشرے کے باشعور، باعقل اور سوچ سمجھ والے والدین سے اپنے بچوں کی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر کا بنیادی فریضہ بھلا دیا۔ آج بچہ جب باتیں سیکھنے لگتا ہے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جو نہ صرف ایک دُعا ہے بلکہ مسلمانوں میں باہمی محبت بڑھانے کے لئے ایک زبردست عمل ہے کی جگہ ہاتھ ہلا کر (ٹاٹا) سکھایا جاتا ہے۔ کلمہ

توحید سکھانے کے بجائے اُس کو موبائل کے مختلف ساز اور دھنیں سنائی جاتی ہیں کہ جی! اس سے بچے کا دِل بہلتا ہے اور یہ نہ سوچیں گے کہ غیر محسوس انداز میں وہ بچہ گانے بجانے کا شیدائی بن رہا ہے۔ اور آگے کی پوچھئے مت کہ فرنگی نے ہمارے بچوں کی شخصیت سازی اپنی سرلی ہوئی ہے۔ اور کارٹون جیسی منحوس اور مضر چیز سے اُن کی ذہن سازی اور شخصیت سازی کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو بچائے۔ اگر کارٹونوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو وہ صرف اور صرف مار دھاڑ، دھوکا و فریب اور مجازی عشق و محبت کا مجموعہ ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ پہلے کارٹون جانوروں کے شکلوں میں ہوا کرتے تھے۔ جس میں چوہا دھوکا فریب دے کر بلّی کو پٹواتا رہتا تھا۔ یا ایک جانور بندوق لے کر دوسرے کے مارنے کے لئے پیچھے دوڑ کر مار دھاڑ کا مظاہرہ کرتا تھا۔ لیکن اب تو ظلم یہ ہے کہ کارٹونوں میں جانوروں کی جگہ انسانی شکلوں میں مار دھاڑ دھوکا فریب اور عشقِ مجازی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے۔ کردار ساز میڈیا اُس کو دنیا جہان کی گندگیاں ٹی وی، وی سی آر، ڈِش اور کیبل جیسے فتنوں کی صورت میں انتہائی پرکشش طریقے سے پیش کرتا ہے۔ اگر فلموں اور ڈراموں کو لیا جائے تو ان میں بھی بغیر مار دھاڑ اور عشق مجازی کے اور کیا رکھا ہے۔ غرض میڈیا ہمارے بچوں کو ہنسی مذاق اور خرافات میں مشغول رکھ کر نہ صرف کردار سازی اور تعلیم کا اہم ترین وقت ضائع کر رہا ہے بلکہ ساتھ ہی ان کو جھوٹ، دھوکا فریب اور عشق بازی کی تعلیم دے رہا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ چیز جس کو ہم جیسے پیادوں کی عقل بالکل نہیں پہنچتی وہ یہ ہے کہ میڈیا ہمارے بچوں کو ایک نظری (Theoritical) سوچ دے رہا ہے۔ اور ان کو عملی زندگی (Practical life) سے کوسوں دور جا پھینکتا ہے۔ پھر ہمارا بچہ اس نظری سوچ کے مطابق اپنی زندگی کے مقاصد چن لیتا ہے اور اس سوچ کے تحت زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ بظاہر صرف فلمی حد تک تو ممکن ہے مگر عملی زندگی میں ان کو اختیار کرنا ایک ناقص سوچ اور خواہش کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب ہمارا بچہ تعلیم سازی اور ذہن سازی کے سب سے نازک دور میں پہنچ جاتا ہے یعنی عین بلوغت کے بعد تو اس کی کردار سازی و ذہن سازی کی فکر فرنگی نے اور بھی اہتمام سے کی ہوئی ہے۔ وہ موبائل و انٹرنیٹ کی شکل میں ہمارے معاشرے کی جڑیں بالکل کھوکھلی کر رہا ہے۔ دینی نہیں دنیاوی اعتبار سے ہی دیکھ لیں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ نوجوانوں کی تعلیمی زندگی کی بنیاد ہیں یا نہیں۔ مگر ہمارے نوجوان جن کے پیچھے نفس اور شیطان کے علاوہ مغربی میڈیا کتے کی طرح پڑا ہوا ہے۔ اگر رات بھر انٹرنیٹ پر گندگی اور غلاظت دیکھ رہا ہے یا پوری دنیا کے لڑکے لڑکیوں سے گندی گفتگو کر رہا ہے تو صبح کلاس میں وہ خاک سیکھے گا وہ تو سویا ہوگا۔ کیا وہ فلمی عشق و محبت سے متاثر ہو کر اپنی عملی زندگی میں مشق کی کوشش نہیں کرے گا؟ بلکہ روزانہ آپ اپنے نوجوان کو کسی نئے بے دین فلمی ہیرو کی سی وضع قطع بنائے ہوئے دیکھتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ

اس گندے میڈیا کا اثر نہیں ہے؟ لیکن میری نظر میں ان گندگیوں میں مبتلا ہونے اور ہمارے نوجوانوں کی زندگیاں تباہ ہونے میں بذات خود ان بچوں اور نوجوانوں کا قصور کم اور ہمارا، اُن کے بڑوں اور والدین کا قصور زیادہ ہے بلکہ اگر میں یوں کہوں کہ قصور ہے ہی والدین کا تو شاید غلطی پر نہ ہوں گا۔ کیونکہ ساری کردار سازی کے شیطانی آلات آپ نے مہیا کیے ہیں اور اِن گندگیوں کو دیکھنے کا موقع آپ نے فراہم کیا ہے اور اگر آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ ہم تو روکتے رہتے ہیں لیکن وہ باز نہیں آتے تو سر سے پانی آپ نے چڑھایا ہے اور بچپن سے اپنے بچوں کی نگہداشت کو توجہ نہیں دی جس کے نتیجے میں اس کے اندر نافرمانی کی خصلت پیدا ہوگئی ہے اور وہ آپ کے لئے دردِ سر بن گئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک واقع یاد آ گیا۔ کسی سرکاری ڈیوٹی کی غرض سے میری تشکیل کوئٹہ ہوئی۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر میں غالباً دعا کے لئے بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک صاحب (جو کہ وضع قطع سے ۱۸، ۱۹ گریڈ کا آفسر نظر آرہا تھا) اس کے جوتے چند نمازیوں کے سامنے پڑے ہوئے تھے جو کہ نماز میں مشغول تھے۔ ان صاحب کو خود یہ علم تھا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا گناہ کی بات ہے غالباً اُنکے بڑوں نے اُن کو یہ سکھایا تھا خود تو نہ جاسکا البتہ اپنے ۹، ۱۰ سالہ بچے کو جوتے اُٹھانے کیلئے بھجوادیا مجھے بہت قلق ہوا اور دل میں یہ حسرت رہ گئی کہ اگر اس نے اپنے ساتھ اپنے بچے کو انتظار کروایا ہوتا اور اس کو کہا ہوتا کہ بیٹے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا گناہ ہے تو یہ عملی مشق اس بچے کو تاحیات ایک سبق سکھاتی اور وہ تاحیات ایک گناہ سے بچا رہتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دفعہ میرے بڑے چچا ہمارے گھر آئے، میری عمر تقریباً ۱۲، ۱۳ سال ہوگی میں چچا کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا اسی لمحہ میں نے اپنے دادا مرحوم (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) کی بارعب آواز سنی ''پاسہ ترہ سرہ کٹ کے کینے'' (اُٹھو چچا کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے ہو)۔ اس واقعے نے مجھے اپنے بزرگوں اور بڑوں کے ادب کا ایک سبق دیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ تاحیات نہیں بھولے گا۔ ایک اور مغربی عادت جو روشن خیالی ہمارے نوجوان کو سکھا رہی ہے وہ مہمان سے چھپنا ہے۔ مہمان کو دیکھتے ہی ہمارے بچوں پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور وہ بھاگنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ نتیجۃً بوڑھے ماں باپ خود مہمان کی خاطر تواضع کر رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ذہنی انتشار اور حسرت میں ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کلہاڑی انہوں نے اپنے پیروں پر خود ماری ہے۔ اگر انہوں نے اپنے اس جگر گوشے کو بچپن سے یہ تعلیم دی ہوتی کہ انسان کا مقصدِ اعلیٰ اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہے اور مہمان کو اللہ نے رحمت بنا کر اس مقصدِ اعلیٰ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا اور ان کا جگر گوشہ بخوشی مہمان کے اردگرد خاطر تواضع میں مشغول رہتا۔ اُس وقت جو سرور ملتا اُس کے کیا کہنے۔

مسلمان کی شخصیت ایک تعمیری شخصیت ہوتی ہے اور سوچ مثبت ہوتی ہے۔ مسلمان اپنی پوری زندگی کو اللہ کی امانت سمجھ کر اللہ کی رضا، آخرت کی نجات، انسانیت کی فلاح اور معاشرے کے لئے رحمت کے طور پر گزارنے کی کوشش کرتا رہے۔ مسلمان شخصیت ہر وقت کسی تعمیری فکر میں لگی رہتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں اپنی (Approach) پختہ (Mature) اور سوچ مثبت رکھتی ہے۔ اور ایک لغو طرزِ فکر جو کہ جدیدئیت اور روشن خیالی ہماری مسلمان قوم کو دے رہی ہے یہ ہے کہ دیندار بندہ تارک الدنیا ہوتا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ میں جب بھی اپنے مرشد اور سلسلے کے ساتھیوں پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت کی اِنتہا نہیں رہتی کہ وہی لوگ جو کہ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، شرعی وضع قطع رکھنے والے، اعتکاف رمضان میں بیٹھنے والے، اوقات مخصوصہ میں اللہ اللہ کرنے والے، بظاہر بالکل سادہ جب اپنے اپنے دنیاوی شعبوں (ڈاکٹری، انجینئری وغیرہ) میں کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو اپنے فیلڈ کے ماہرین میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ اور نورٌ علی نور یہ کہ اسی دنیاوی شعبہ کو وہ آخرت کے حصول کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں جو اُن کو کام اور محنت کرنے کا جذبہ (Motivation) دیتا ہے جو کہ دنیا کے کسی سائنسدان، ڈاکٹر یا فلسفی کے پاس نہیں۔ لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ دین و دنیا کا یکجا ہونا مشکل ہے۔ بلکہ دِین و دنیا ہیں ہی لازم وملزوم۔

خلاصہ سارے مضمون کا یہ ہے کہ انسان کی تربیت، کردار سازی اور شخصیت سازی کافی حد تک اختیاری ہے لہٰذا بعد میں پچھتانے کے بجائے اپنے بچوں کی پوری نگہداشت اسلامی ضوابط کے تحت بر وقت کی جائے۔ اور اُن کو ٹی وی، کارٹون، موبائل اور انٹرنیٹ وغیرہ کے فتنوں سے دور رکھا جائے۔ اور اِن فضول مشاغل سے نکال کر اُن کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر عملی اور کامیاب زندگی کا راز بتایا جائے۔ اُس کی ہر عادت اور طور طریقے کو زیرِ مشاہدہ رکھ کر معمولی شائبہ پر بھی فوراً اصلاح کی فکر کریں۔ شروع سے اسلام کے بنیادی عقائد سکھائے جائیں جو کہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کے بعد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کو دنیاوی تعلیم بھی خوب جانفشانی کے ساتھ دلائی جائے بلکہ میں غلط نہ ہوں گا اگر یوں کہوں کہ اگر دنیاوی تعلیم اسلامی تعلیمات کے خول کے اندر سکھائی جائے تو نہ صرف اُس کے فوائد بڑھ جائیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بن کر دین بن جائے گا۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

میر صاحب اور حاجی صاحب کا جھگڑا

(ادارہ)

میر صاحب تو پنجاب کے ہیں جبکہ حاجی صاحب سرحد کے روایتی پٹھان، دونوں میں دوستی ہے۔لیکن اس دفعہ میر صاحب سے نہ رہا گیا آخر پوچھ ہی لیا حاجی صاحب! آپ ایک دن پہلے روزہ کیوں رکھتے ہیں اوراسی طرح ایک دن پہلے عید کر دیتے ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا بھائی ہمارے ہاں پشاور میں مسجد قاسم علی خان میں ایک کمیٹی ہے جو دو تین سو سال سے روزہ اور عید کا فیصلہ کرتی چلی آئی ہے۔پشاور کے مضافات جوشہری آلودگی وگرد وغبار سے باہر ہیں وہاں عموماً لوگ چاند دیکھ لیتے ہیں کیونکہ ان علاقوں میں سارا سال چاند دیکھنے کا رواج ہے،ان کی مشق اورمہارت بھی ہے۔دو تین گھنٹوں میں یہ لوگ چل کرمسجد قاسم علی خان پہنچتے ہیں، وہاں مفتی حضرات سب کی شہادت کو پرکھتے ہیں اور پھر اعلان کر دیتے ہیں۔اس دفعہ تقریباً پونے گیارہ بجے فیصلہ کیا گیا۔

میر صاحب بولے حاجی صاحب! آپ بھی بڑے عجیب ہیں آج کے سائنسی دور میں پرانی دقیانوسی باتیں چلا رہے ہیں۔اب تو علماء نے بھی سائنس سیکھ لی ہے اور برطانیہ کی برنارڈ لیبارٹری کی زیرنگرانی آپ کو ایک ایک منٹ بتا سکتے ہیں کہ چاند اب کہاں ہے۔ماشاءاللہ جس دن انہوں نے اعلان کرنا ہوتا ہے اللہ کے فضل سے چاند ایسا واضح ہوتا ہے کہ ہر کسی کو نظر آرہا ہوتا ہے، بوڑھے بھی بہ سہولت دیکھ سکتے ہیں،اس کو چاند کہتے ہیں۔اور ہماری کمیٹی کا چاند تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ سب کو حتیٰ کہ بوڑھوں کو بھی نظر آرہا ہوتا ہے۔آپ حضرات ان پرانی باتوں کی وجہ سے بلا ضرورت اپنے کو تھکا رہے ہیں اور سارا پاکستان آپ لوگوں پر ہنستا ہے۔پنجاب سندھ کے علماء ومشائخ کے ہاں ہر مہینے رویت کی گواہیاں جمع کرنا اور اندازہ (Record) رکھنا اس بات کا رواج ہی نہیں ہے۔اخبار سے قمری تاریخ معلوم کرتے ہیں اور رویت ہلال کمیٹی سے رمضان اور عید کا فیصلہ لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ〈حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتھم〉

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب) (قسط نمبر: ۱۴)

امتحان کو آدمی جب پاس کرتاھے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ھے:

فرمایا کہ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب نے تبلیغی جماعت میں تین دن دیئے تو اُن کو وصول کرنے کے لیے میں گیا۔ وہاں ایک سیاسی پارٹی کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ جہاد نہیں کرتے، بُرائی کو دیکھ کر ہاتھ سے روکنا چاہیے اور نہیں تو آدمی زبان سے روکے، نہیں تو آدمی دل سے روکے اور دل سے روکنا تو سب سے ضعیف ایمان ہے۔ یعنی کہ تم ضعیف ایمان پر ہو اور ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ بندہ نے جواب دیا کہ ہمیں تو اس بات کا دعویٰ ہی نہیں کہ ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ ہمیں تو اپنی کمزوریوں اور کمیوں کا احساس ہے، اپنے ضُعف کا احساس ہے کہ ہمارے اندر ساری کمیاں ہیں۔ میں اُن سے بحث میں نہیں اُلجھا تو اُنھوں نے دوسرا راؤنڈ لیا، جیسے باکسنگ میں ایک راؤنڈ ہوکر پھر دوسرا راؤنڈ شروع ہوتا ہے۔ تو اُنھوں نے پھر کہا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کچھ نہیں کرتے ہیں کہ آپ لوگ کمزور ایمان والے ہیں۔ تو میں نے اُن سے پھر کہا کہ ہم نے تو کبھی قوی ایمان کا دعویٰ ہی نہیں کیا ۔ ہمارا ایمان کمزور ہے ہم اُس کو دُرست کرنے کی کوشش کررہے ہیں، آپ ہمارے لیے دُعا کیا کریں۔ اُس نے جب تیسرا راونڈ لیا تو پھر اُس کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی بحث میں بالکل اُلجھنا نہیں چاہتا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے بسترہ تیار کرلیا۔ میں نے کہا کہ آؤ ڈاکٹر صاحب کہ جائیں اور اُس جماعت اسلامی والے سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دُعا کیا کریں کیونکہ ہمارا تو کوئی دعویٰ ہی نہیں ہے کمال کا۔

جب تُو دین کا کام کریگا تو اُس سے لوگوں میں مقبولیت ہوگی۔ وہ تیری ساری چیزوں کو پیسے سے خریدنے کی کوشش کریں گے۔ تجھے شکرانے پیش کرکے، پیسے دے کر، اپنے کاموں کے لیے تیری وجاہت کو، حیثیت کو استعمال کرنے کی کوشش کرینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا کہ اگر اس جگہ تُو پھنس گیا تو بس پیسہ تو ہوجائے گا لیکن تعلق مع اللہ نہیں رہے گا۔ پھر جب آدمی اس جگہ سے پار ہوجاتا ہے تو لوگ اس کی حیثیت اپنی سیاست کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ٹکٹ دے رہے ہیں، ہم آپ کو الیکشن

میں کھڑا کر رہے ہیں تا کہ اس حیثیت کو استعمال کریں۔ اور اگر تُو یہاں استعمال ہو گیا تو دُنیا تو ہو گئی مگر تعلق مع اللہ نہ رہا۔ اس ٹیسٹ کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے۔

اہلِ دُنیا بہت بیوقوف ہوتے ہیں، فائدے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

فرمایا کہ وفات تک حضرت تھانویؒ کو کسی بھی قسم کی کمائی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی حالانکہ وہ اپنی صرف ایک کتاب کو خود چھپواتے اور خود بیچتے مثلاً تفسیر کو یا بہشتی زیور کو تو مال و دولت کے انبار لگ جاتے (اس تفسیر پر اور اسی بہشتی زیور پر کتب فروشوں نے خزانے بنائے ہیں)۔ آپؒ کی ایک ہزار تصانیف ہیں، وہ اتنی بِکی ہیں کہ ان پر لوگوں نے دولتوں کے انبار جمع کئے ہیں۔ لیکن اُنھوں نے اتنا تک بھی نہ کیا کہ رجسٹریشن کر کے حق محفوظ کیا جائے کہ میری اولاد کو، میرے مدرسے یا میرے خاندان کو فائدہ ملے بلکہ جو چھاپتا ہے اور جہاں سے چھاپتا ہے بالکل کھلی اجازت ہے، صرف یہ ہے کہ اس میں مضمون کی تبدیلی نہ کرے اور غلطیاں نہ کرے۔

سچ بات ہے کہ اہلِ دُنیا بہت بیوقوف ہوتے ہیں، فائدے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا ڈالا، یہی لوگ نافرمان ہیں۔

زندیق کسے کہتے ہیں؟

فرمایا کہ ہمارے ایک مُرید شادی کی فکر میں تھے، اُس کی خالہ نے اسے کہا کہ ہمارے ایک پیر صاحب ہیں آپ اُنکے پاس چلے جائیں۔ وہ پیر صاحب کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر بند ہے اور کسی نے اس کو بند کیا ہوا ہے، یہ چینی اور پانی لیکر آئے ہم اس کو دَم کریں گے پھر اس کو کھولیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ پیر صاحب کیسے ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں، داڑھی منڈوائی ہوئی ہے لیکن بحر حال وہ پہنچ گئے ہیں۔ اب ان کو اس چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے اور نماز خانہ کعبہ میں پڑھتے ہیں۔ اُس کا جانے کا جذبہ ہو گیا تھا کہ چلو ٹھیک ہے اگر بیوی یہاں سے ملتی ہے۔ مجھ سے پوچھنے آیا تو میں نے جواب دیا کہ یہ تو زندیق ہے۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ زندیق تو میں نے بھی کہہ دیا تھا لیکن میں اندر سے بڑا ڈر رہا تھا کہ

مجھے کچھ ہو نہ جائے کہ خالہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو کچھ ہو جائیگا۔ میں نے کہا کہ برخودار! جو شخص معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو اور اُس کے دُرست ہونے کے شریعت و قرآن سے دلائل دے رہا ہو اور اُس پر قائم ہو تو زندیق اسی کو کہتے ہیں کہ جو حقائق کو بدل کر اُن کی تشریح اپنے نفس کے مطابق کر رہا ہو۔

جنت کے راستے

(ماہنامہ الدعوۃ اِلی اللہ، اپریل: ۲۰۰۸ء سے ظہور الٰہی فاروقی صاحب کا انتخاب)

ہادیٔ برحق، محسنِ انسانیت، عظمت البشر، افضل الانبیاء، ختم الرسل، سرکارِ دوعالم جناب حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مرتبہ تندور میں روٹیاں لگا رہی تھیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اپنی لختِ جگر سے فرمایا: فاطمہؓ! ایک روٹی میں بھی لگا دوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی ایک روٹی بنائی اور فرمایا کہ تندور میں لگا دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ روٹی تندور میں لگا دی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روٹیاں لگا کر فارغ ہوگئیں تو کہنے لگیں......ابا جان! سب روٹیاں پک گئی ہیں مگر ایک روٹی ایسی ہے کہ جیسے لگائی تھی ویسی ہی لگی ہوئی ہے، اس پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ جس آٹے پر میرے ہاتھ لگ گئے ہیں اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ **سُبحان اللہ!**

اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا، اُنہوں نے اپنی باندی سے کہا: جاؤ تولیہ لاؤ۔ جب وہ تولیہ لائی تو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے غصے سے دیکھا اور فرمایا کہ جاؤ، اسے صاف کرکے لاؤ۔ وہ بھاگی اور تولیہ کو تندور میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد نکالا تو وہ صاف ستھرا ہوگیا تھا۔ میں یہ سب دیکھ کر حیران ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اُنہوں نے اس تولیہ سے ہاتھ صاف کیے تھے۔ اس کے بعد اس تولیہ کو جب تندور میں ڈالتے ہیں، آگ اس کے میل کچیل کو کھا جاتی ہے اور تولیہ صاف ہوجاتا ہے۔

یہ تو تھیں لمس نبوی ﷺ کی برکات، اب ذرا سوچئے کہ جس جسم میں طریقۂ محمدی ﷺ نقش ہوجائے، جس دِل میں لا الہ الا اللہ سما جائے اور جس جسم پر طریقۂ محمد رسول اللہ ﷺ آجائے وہ کس قدر خوش نصیب ہے اور انشاء اللہ وہ یقیناً جہنم کی آگ سے آزاد بھی ہے۔ جب یہ بے جان چیزیں لمس نبوی ﷺ کی برکت سے دُنیا کی آگ سے محفوظ ہوگئیں تو یہ اشرف المخلوقات......انسان سنن نبوی ﷺ کی برکات کی بدولت جہنم کی آگ سے کیوں آزاد نہیں ہوگا۔ اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب وہ ہیں جو نہ صرف اپنے آپ کو محمدی بنانے کی کوشش میں ہیں بلکہ اوروں کو بھی عشقِ رسالت کا جام پلانے میں مصروف ہیں۔ اللہ ربّ العزت پورے عالم کے انسانوں کو سنن رسول اللہ ﷺ کے سانچے میں ڈھال دے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَکِیْنٍ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَکِیْنٍ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ

لِمَنْ يَّشَآءُ اِنٰثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام.

دارۂ اشرفیه عزیزیه کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہوجائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دو سو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اَللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی و جسمانی نقصان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کر سکتا ہے، رسول کا انکار کر سکتا ہے آخرت کا انکار کر سکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کر سکتا وہ موت ہے۔

ؔ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْھَا وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْھَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نمازِ عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

یا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ o ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ o ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ

اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنِ ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصَّالِحِیۡنِ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوَارِثِیۡن ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰهِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمۡ وَ اَهۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡن ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصَّالِحِیۡن ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوَارِثِیۡن ٥ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰهِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمۡ وَ اَهۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تا کہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں

چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقه

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر،ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لا الہ الا اللّٰہ**،سوبار **الا اللّٰہ** اورسوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چار سوبار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت،مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے،خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی — کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْھَا — وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْھَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا — دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا — پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُّوْصَلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے

کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی — بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی — بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیزتھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہوکر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆